سیرت نبویؐ کے بعض پہلوؤں پر مستشرقین کے اعتراضات

ڈاکٹر دوست محمد خان*

Abstract:

The Orientalists got recognition when the West became the custodian of the world affairs due to their scientific and academic development. They occupied almost all the Asia and Africa.During their occupation they studied culture, civilization and long vages of the region. They also tried to influence the faith and beliefs of the people of the above nations. In this regard, their scholars and think tanks struggled hard. This sitution continued for years. In this maligining compaign, the Orientalists focused their full attention to Islam, Islamic History, Civilization, Islamic Law, Quran and Sunnah, especially the life of the Holy Prophet (S.A.W). In this article some objections of Orientalists are analyzed and responded academically.

آج کی سائنسی ایجادات نے ذرائع نشر واشاعت اور خیالات وافکار کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں ایک انقلاب برپا کردیا ہے۔اس انقلابی دور میں جب کہ ہر کام اور ہر عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی غرض اور مقصد کارفرما ہوتا ہے،مشرقیات اور اسلامیات کے متعلق مستشرقین کی تحقیقات کا معاملہ نہایت اہم ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ بہت سے مستشرقین نے اسلامی علوم کے حوالے سے بڑی خدمت کی۔انہوں نے ساری ساری عمریں اسلامی علوم کی تحقیق میں صرف کردیں اور بڑی جانکاہ محنت اور کثیر سرمایہ صرف کرکے مسلمانوں کے علوم وفنون کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ان کی نادر ونایاب کتب کا پتہ چلا کر اور بڑی تکالیف واخراجات برداشت کرکے بڑے اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کیا اور ان پر حواشی لکھے اور ان کی شرحیں لکھیں۔ان کے تراجم کے ساتھ ساتھ خود ان موضوعات پر بعض بلند پایہ کتابیں لکھیں اور اسلامی علوم وفنون کی تقریباً ہر شاخ پر نہایت وسیع لٹریچر فراہم کیا۔ان کی ان اسلامی خدمات سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور ان کی اس محنت وجانفشانی کی داد نہ دینا زیادتی اور احسان فراموشی

* ڈائریکٹر اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی پشاور

ہے لیکن ان سب امور کے ساتھ جہاں دین اسلام کے متعلق ان کے افکار وخیالات اور تحقیقات کا تعلق ہے، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ان کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے۔ اس لئے کہ اسلامی مسائل وعلوم کے متعلق اپنی تحقیقات میں انہوں نے اب تک نیک نیتی کا کوئی ثبوت نہیں دیا ہے، یا تو وہ مشرقی روایات، مشرقی مذاق اور اسلامی ذوق ونظر سے ناواقف ہونے کی بناء پر اسلامیات کے سمجھنے اور اس کے پیش کرنے میں نہایت فاش غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں یا عملاً وہ اسلام کو نہایت مسخ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں۔ بہرحال جو صورت بھی ہو ان کی یہ علمی غلطیاں علم وفن کی خدمت اور تحقیق وریسرچ کے پردہ میں ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ زمانہ تحقیق وریسرچ کا ہے اس لئے ان سے خود مسلمانوں اور دیگر قوموں میں اسلام کے متعلق سخت گمراہیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو یونانی فلسفہ، عجمی افکار اور ہندی خرافات، کسی سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا ان محققین کی زہر آلود تحریروں سے پہنچتا ہے جس کے مظاہر آئے دن آج کل کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں نظر آتے ہیں اس لئے دینِ اسلام کے متعلق ان کی تحقیقات پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے۔

جہاں تک سیرت رسول ﷺ کے حوالے سے ان کے اعتراضات اور الزامات کا تعلق ہے ان کی کوئی حد نہیں اور وہ مستشرقین کی تحقیقات، تحریرات اور ان کے فراہم کردہ لٹریچر میں بکثرت پائے جاتے ہیں اس لئے کہ یہ سلسلہ صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ان کے ہاں الزامات واعتراضات کی کثرت اس لئے بھی ہے کہ الزامات و اعتراضات قائم کرکے (خواہ وہ کتنے ہی بے بنیاد اور تحقیقی مناھج کے خلاف ہوں) سیرت رسول ﷺ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، مستشرقین کی علمی حکمت علمی کا مستقل حصہ رہا ہے کیونکہ اس کام کے ذریعے اس بات کا امکان رہتا ہے کہ وہ افراد جن کا اسلامی مطالعہ وسیع نہ ہو ان کے دام میں آسانی کے ساتھ پھنس سکتے ہیں۔

مستشرقین کے الزامات کی وسعت اور اہمیت کو مدنظر رکھ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ مستشرقین کے تمام اعتراضات والزامات کو ترتیب وار مرتب کرکے ان کا مفصل ومدلل جواب دیا جائے لیکن ان کے اعتراضات کی

طوالت اوران کے فراہم کردہ لٹریچر کا فرداً فرداً ذکر نہ تو ممکن ہے اور نہ ایک مقالے کا موضوع بن سکتے ہیں۔تاہم سطور ذیل میں بعض اہم مستشرقین کے بعض اہم اور بے بنیاد الزامات بلکہ منقریات کو سامنے لایا جارہا ہے تا کہ عام پڑھے لکھے طبقے پر بھی یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ سیرت نبویؐ کے سیدھے سادے باب میں مستشرقین نے کیسے کیسے ابہام پیدا کئے ہیں۔

خاندان نبوی ﷺ:

مستشرقین نے اسلام کے خلاف اپنے تعصّبات پھیلانے کے لئے یہ عجیب وغریب طریقہ ایجاد کیا ہے کہ جب تک وہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کی تاریخ پر بحث کریں گے تو اس وقت تک خالص مؤرخ رہیں گے لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی سیرت، دین اسلام یا قرآن کی طرف متوجہ ہونگے تو حقائق کو توڑ مروڑ کر ایسے انداز میں پیش کریں گے کہ دوسرے اس کو پڑھ کر شکوک وشبہات میں مبتلا ہوجائیں۔اسلامی مباحث پر لکھنے میں وہ علمی دیانت اور تحقیقی اصول بھول جاتے ہیں۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے ذھن میں ایک فرضی نظریہ یا ایک خیال قائم کرتے ہیں اس کے بعد اس کے اسباب تلاش کرتے ہیں۔اگر کسی بھی اسلامی مأخذ سے ان کو کوئی ایسی شے مل گئی جو ان کے لئے مفید مطلب ہے یا اسے کھینچ تان کر اپنے مقصد کے مطابق بنا سکتے ہیں تو فوراً اسے لے لیتے ہیں۔اسی اصول کو اپناتے ہوئے مستشرقین نے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے بنی نوع انسان کو بدگمان کرنے کیلئے اور آپؐ کی ذات بابرکات کو گھٹانے کیلئے آپؐ کے جدامجد ابوالانبیاء حضرت ابراھیمؑ کی تاریخی حیثیت پر نام نہاد تحقیق کی بناء ڈالی۔حضرت ابراہیمؑ کے متعلق مستشرقین نے اپنی تحقیقات ایسے انداز سے پیش کی ہیں کہ گویا وہ ایک خالص تاریخی موضوع پر تحقیق فرمارہے ہیں لیکن بعد میں جب اس تحقیق کے ڈانڈے نبی کریم ﷺ سے ملتے ہیں تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ مستشرقین اپنے ایک موہوم نظریے کو ثابت کرنے کے لئے کتنے پاپڑ بیلتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (Encyclopedea of Islam) کے چیف ایڈیٹر A.J. (1)Wensinck (وینسک) جو یورپ میں اسلامیات کے بہت بڑے ماہر اور متبحر عالم مانے جاتے ہیں اور یورپ میں اسلامی مباحث پر ان کی رائے فیصلہ کا حکم رکھتی ہے، نے حضرت ابراھیمؑ اور کعبہ کے متعلق چلتے چلتے مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر الیس اسپرنگر (Dr.Alias Sprenger) کی یہ نادر تحقیق ایک جملہ میں پیش کی ہے کہ ''اسپرنگر وہ پہلا شخص ہے جس کا ''طباع اور اخّاذ'' ذہن سب سے پہلے ادھر منتقل ہوا کہ قرآن میں ابراہیمؑ کی شخصیت بانیٔ کعبہ کی حیثیت حاصل کرنے سے پہلے کئی ادوار سے گزر چکی ہے۔''(۲)

اسپرنگر نے آنحضرت ﷺ کے خاندان کو اور پھر آپؐ کی ذات بابرکات کو ہلکا ثابت کرنے کیلئے اتنی دور کی کوڑی لاکر آئندہ اس موضوع پر لکھنے والے مستشرق کیلئے جو ایک معمولی سی بنیاد ڈال دی تو اس کے بعد آنے والے مستشرقین میں مغرب کے معقول اور منصف مزاج اور اسلام اور اسلامی ملکوں سے صحیح واقفیت رکھنے والے مستشرق پروفیسر سنوک ہرخرینہ یا سنوک ہرگرونجے یا سنوک ہیکر وینیہ (Snouck Hurgronje) نے بڑے شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا اور اپنے مذمومہ دلائل کے ذریعے اس کو خاص آب ورنگ سے رنگین بنایا۔اس نے لکھا:

> ''قرآن پاک میں جس قدر مکی آیات اور سورتیں ہیں ان میں کسی ایک مقام پر بھی اسمٰعیلؑ کا ابراہیمؑ کے ساتھ رشتہ نظر نہیں آتا اور مکی سورتوں میں مثلاً ذاریات آیت ۴۲، حجر آیت ۵۰، صافات آیت ۸، انعام آیت ۷۴ اور مریم آیت ۴۲ میں حضرت ابراہیمؑ کی حیثیت محض ایک رسول کی ہے جو دوسرے انبیاء ورسل کی طرح اپنی قوم کو ڈرانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ مذکورہ مستشرق آگے بڑھ کر سورۂ سجدہ آیت ۲، سبا آیت ۴۳ اور یٰسین آیت ۵ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کر کے کہتا ہے کہ ان آیات میں کہیں تذکرہ تک نہیں کہ ابراہیمؑ کعبہ کے معمار یا اول المسلمین تھے۔''(۳)

مکی سورتوں کو ابراہیمؑ کے تذکرہ سے خالی قرار دیکر نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد کے دور اور وہاں پر استحکام کے حصول کے بعد کا ذکر کرتے ہوئے مستشرق موصوف لکھتے ہیں:

لیکن مدنی سورتوں میں یہ حالت بدل جاتی ہے اور ابراہیمؑ حنیف، مسلم اور دین ابراہیمی کے بانی ہو جاتے ہیں جنہوں نے اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر کعبہ بنایا جیسا کہ بقرہ آیت ۱۲۸ الخ اور آلِ عمران آیت ۸۰ الخ سے ظاہر ہوتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا کے مذکورہ آرٹیکل کے مصنف وینسک، سنوک ہرگوینہ کے پیش کردہ ان مفروضہ اور مذمومہ مقدمات سے جو نتیجہ اخذ کرتا ہے وہ یوں ہے۔ اسی اختلاف کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد ﷺ مکی زندگی میں یہودیوں پر اعتماد کیا کرتے تھے اور ان کے طریقوں کو پسند کرتے تھے لہٰذا اس وقت تک ابراھیمؑ کی شخصیت کو بھی انہوں نے اسی نظر سے دیکھا۔

جس نظر سے یہود دیکھتے تھے، لیکن مدینہ ہجرت کے بعد جب انہوں نے یہودیوں کو اپنے دین کی دعوت دی تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا اور وہ آپؐ کے دشمن ہو گئے۔ اب محمدؐ کو کسی دوسرے مددگار کی ضرورت پیش آئی۔ اس مقام پر محمد ﷺ نے فکر و تامل کے ساتھ سوچا۔ آخر ان کی ذکاوت اور جودت طبع نے راہ سمجھائی اور اس موقع پر آپؐ نے ابوالعرب ابراہیمؑ کی ایک نئی شان کی جانب توجہ دلائی اور عربوں کے لئے یہود کی یہودیت سے جدا ایک ایسے دین کی بنیاد ڈالی جس کو یہودیت ابراہیمی کہنا چاہئے اور اسی وسیلہ سے آپؐ نے اس زمانہ کی یہودیت سے نجات حاصل کر کے ابراھیمؑ کی یہودیت سے رشتہ جوڑ لیا جو اسلام کا منشاء اور مولد ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ کی تکمیل کیلئے قرآن کریم کی مدنی سورتوں میں ابراھیمؑ کی شخصیت کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ ملت حنفی کے داعی، عرب کے پیغمبر، اسمعیلؑ کے والد اور کعبہ کے مؤسس نظر آتے ہیں۔'' (۴)

فرانسیسی مستشرق ہنری ماسے (Henri Masse) اپنے پیشہ و مستشرقین کے ان دعاوی کو ان الفاظ

میں آگے بڑھاتے ہیں:۔

"Muhammad in his earlier attempt to arbitrate between the divergent elements of Medina had tried to win over Jews. His contact with them brought the Old Testament under his notice. A reflection of his conversations with jews appears in the revelation he received at this date, the annexing of the Partriarch Abraham to Islam being one of the principal results. But it was precisely those passages taken from the Old Testament to which the Jews took exception. The Jews considered the gift of prophecy as the special privilage of Israel; After the Hegira, Muhammad had adopted the Jewish Orientation, that is, the Muslims were to pray with their faces turned towards Jerusalam. Sixteen or seventeen months later Muhammad declared Abrham to be the Founder of Kabba, and adopted the orientation torwards Mecca. Thus the old Arab tradition gained upper hand over the passing influence of Juduism."(5)

یہ ہے وہ دعاوی اور دلائل جس کی بنیاد پر وینسک، اسپرنگر اور سنوک ہرگوینہ کے مزعومہ خیالات پیش

کر کے اسلام کی تحقیر اور مسیحیت کی برتری ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے پیغمبرانہ مشن اور قرآن کریم کو آپؐ کی مرضی ومنشا کے مطابق قرار دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور ابراھیمؑ کی حیثیت کو کمزور ثابت کر کے آپؐ کے خاندانی وقار کو گھٹانے کی بنیاد رکھنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ابراہیمؑ کا عربوں کے ساتھ نہ دینی تعلق ہے اور نہ نسلی، لیکن جب ایک غیر جانبدار مؤرخ اور نقاد مستشرقین کے اس دعوے اور دلائل دعویٰ کو صرف تاریخی اور تنقیدی حیثیت سے دیکھتا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے، حقائق اور واقعات سے قصداً چشم پوشی کر کے محض بغض وعناد کی راہ سے بے دلیل کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس سلسلہ میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ مکی سورتوں میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق وہ اوصاف نظر نہیں آتے جو مدنی آیات میں پائے جاتے ہیں مگر یہ سرتا یا غلط اور قصداً وارادہ کے ساتھ علمی بددیانتی ہے کہ مکی سورتوں کی صرف اُن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں ابراہیمؑ کو فقط ایک پیغمبر کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے لیکن قرآن کریم کی وہ مکی سورۃ جو حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کو ہمہ گیر حیثیت سے نمایاں کرنے کیلئے اُن ہی کے اسمِ گرامی سے مُعَنْوَنْ کر کے نازل کی گئی ہے یعنی سورۃ ابراہیمؑ میں اس کا ذکر تک نہیں کیا گیا تا کہ قرآن کریم سے براہ راست رجوع کر سکنے والے حضرات کے سامنے حقیقت نہ آ سکے اور تقلید اور مغرب کے علمی رعب سے مرعوب طبقہ ان کے غلط دعاوی کو صحیح سمجھتے رہیں۔

سورۃ ابراہیمؑ مکی سورۃ ہے۔ اس کی آیات آپؐ پر ہجرت مدینہ سے قبل مکہ مکرمہ ہی میں نازل کی گئی اور یہ آیات مندرجہ ذیل حقائق کا اعلان کرتی ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ o رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم o﴾(٦)

ترجمہ:۔ ''اے پرودگار! اس شہر (مکہ) کو تو امن کا مرکز بنا اور مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے

دور رکھ، اے پروردگار بلاشبہ ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، پس جو شخص میری پیروی کرے وہ میری جماعت میں سے ہے، اور جو میری نافرمانی کرے پس بلاشبہ تو بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔''

اِسی ہی سورت میں حضرت ابراھیمؑ اقرار کرتے ہیں کہ سرزمین حجاز (جو عرب کا مرکز ہے) ان ہی کی اولاد سے آباد ہوئی اور انہوں نے ہی اس کو بسایا ہے اور وہی اس چٹیل میدان میں بیت الحرام (کعبہ) کے مؤسس ہیں:۔

﴿رَبَّنَا اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ﴾(۷)

ترجمہ:۔''اے ہمارے پروردگار بے شک میں نے اپنی بعض ذریت (اولاد) کو اس بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے گھر (کعبہ) کے نزدیک آباد کیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار، یہ اس لئے تاکہ وہ نماز قائم کریں، پس تو لوگوں میں سے کچھ کے دل اس طرف پھیر دے کہ وہ اس کعبہ کی بدولت ان کی جانب مائل ہوں اور ان کو پھلوں سے رزق عطا کرتا کہ یہ شکرگزار بنیں۔''

حضرت ابراھیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے والد ہیں اور اسمٰعیلؑ اہل عرب کے باپ ہیں، اور حضرت ابراھیمؑ اپنے اور اپنی اولاد کیلئے ملت حنفی کے شعار صلوٰۃ (نماز) کی اقامت کی دعا کرتے ہیں:

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ o رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ o رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ o﴾(۸)

ترجمہ:۔''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق بخشے بلاشبہ میرا پروردگار ضرور دعا کا سننے والا ہے۔ اے پروردگار مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ اے پروردگار

ہماری دعا سن لے۔اے ہمارے پروردگار تو مجھ کو میرے والدین کو اور کل مومنوں کو قیام حساب (قیامت) کے روز بخش دے۔‘‘

اس کے علاوہ سورۃ انعام اور سورۃ النحل بھی مکی سورتیں ہیں۔ان میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت ابراھیمؑ شرک کے مقابلے میں مِلّت حنیفی کے داعی ہیں۔

﴿اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفاً وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ o﴾(۹)

ترجمہ:۔’’بلاشبہ میں اپنے چہرہ کو اسی ذات کی طرف جھکا تا ہوں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدَانِیْ رَبِّیْ اِلیٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ o دِیْنًا قِیَماً مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ o﴾(۱۰)

ترجمہ:۔’’میرے رب نے مجھے سیدھی راہ کی ہدایت کی ہے، جو کج مج راہ سے الگ صاف اور سیدھا دین ہے، مِلّت ہے ابراھیم کی جو تھے ایک خدا کی طرف جھکنے والے اور نہ تھے وہ مشرکوں میں سے۔‘‘

ان آیات کے علاوہ سورۃ النحل میں حضرت ابرھیمؑ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِیفًا وَّلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ o﴾(۱۱)

ترجمہ:۔’’بے شک ابراھیمؑ تھا راہ ڈالنے والا حکم بردار، صرف ایک خدا کی طرف جھکنے والا اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اَوۡحَیۡنَا اِلَیۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرَاهِیۡمَ حَنِیۡفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ o﴾(۱۲)

ترجمہ:۔''پھر اے محمد ﷺ ہم نے تیری جانب وحی کی اس بات کی کہ تو پیروی کر اس ابراھیم کی جو صرف خدائے واحد کی طرف جھکنے والا ہے اور نہیں ہے مشرکوں میں سے۔''

ان آیات کے مطالعہ سے واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ مکی سورتیں ہوں یا مدنی دونوں جگہ حضرت ابراھیمؑ کی شخصیت ایک ہی طرح نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ دونوں حالتوں میں ملت حنفی کے داعی، حضرت اسمٰعیلؑ اور عرب کے باپ اور کعبہ کے مؤسس و بانی اور عرب کے ہادی ہیں۔ ان مستشرقین کو تعصب علمی نے اتنا توانا بنا دیا کہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی وقعت گھٹانے کی کوشش میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ اس قسم کے دعوے سے ہم صرف قرآن ہی کی نہیں بلکہ بائبل (توریت) کی بھی تکذیب کر رہے ہیں کیونکہ توریت میں یہ صراحت موجود ہے کہ اسمٰعیلؑ حضرت ابراھیمؑ کے بیٹے ہیں اور اسمٰعیلؑ عرب کے باپ ہیں اور ابراھیمؑ کی اسی اولاد سے عرب کی سرزمین آباد ہوئی اور یہ دونوں باپ بیٹا عرب کی نمایاں شخصیات ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا خاندان، مولانا شبلی کے الفاظ میں اگرچہ اباً عن جد معزز اور ممتاز چلا آتا رہا ہے لیکن مستشرقین نے اسی قسم کے بے بنیاد دلائل اور مفروضہ کہانیوں کے زور پر آپؐ کے خاندان کو مبذل ثابت کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ متذکرہ بالا مستشرقین کے انہی مفروضہ کہانیوں سے بعد کے جن مستشرقین نے ''استفادہ'' کیا ہے ان میں ھنری سٹب (Dr. Henry Stubbe)، ڈی۔ ایس مارگولیتھ (D.S. Margolioth) وغیرہ شامل ہیں۔

مارگولیتھ نے تو اپنے دعویٰ کیلئے قرآن کریم سے دلیل بھی ڈھونڈ لی ہے۔ مارگولیتھ نے نبی کریم ﷺ کو نیچ ذات (Low Birth) (العیاذ باللہ) قرار دیا ہے۔ مارگولیتھ نے اپنی اس مذموم رائے کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

"It seems clear that Muhammad (peace be upon him) came of a humble family. The Koraish in the Koran wonder why a Prophet should be sent to them who was not of noble birth"(13)

مارگولیتھ نے اس الزام کو بہت رنگ و روغن لگا کر بیان کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ انتہائی شریف النسب بلکہ نجیب الطرفین تھے۔ آپؐ عرب کے شریف ترین گھرانے کے فرزند تھے۔ آپؐ کے جدِ امجد ھاشم تھے جن کے ذمے مکہ کی شہری مملکت میں ''رفادہ'' کی ذمہ داری تھی۔ وہ اس پائے کی شخصیت تھی کہ رومی (Roman) امراء اور غسّانی شہزادے ان سے معاہدہ کیا کرتے تھے۔

حضرت ہاشم کی عظمت اور کامیابیوں نے اُمیّہ کو رشک وحسد میں مبتلا کر دیا تھا۔ اُمیّہ نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح ان سے آگے نکلے، آخر کار قبیلہ بنی خزامہ کے نجومی نے ان دونوں کے دلائل و دعاوی سن کر فیصلہ حضرت ہاشم کے حق میں کیا۔ (۱۴)

مارگولیتھ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قریش کے اس سوال کو بھی پیش کیا ہے کہ:

﴿وَلَمَّا جَاءَ هُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ o وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍo﴾(۱۵)

ترجمہ: ''مگر جب وہ حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔''

اِن آیات میں کفار مکہ کا کہنا یہ تھا کہ اگر واقعی خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا اور وہ اُس پر اپنی کتاب نازل

کرنے کا ارادہ کرتا تو ہمارے ان مرکزی شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو اس غرض کیلئے منتخب کرتا۔ رسول بنانے کیلئے اللہ میاں کو ملا بھی تو وہ شخص جو یتیم پیدا ہوا۔ جس کے حصے میں کوئی میراث نہ آئی جس نے بکریاں چرا کر جوانی گزار دی، جواب بھی گزر اوقات بیوی کے مال سے تجارت کر کے کرتا ہے، اور جو کسی قبیلے کا شیخ یا کسی خاندان کا سربراہ نہیں ہے، کیا مکہ میں ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ جیسے نامی گرامی سردار موجود نہ تھے؟ کیا طائف میں عروہ بن مسعود، حبیب بن عمرو، کنانہ بن عبید عمرو اور ابن عبد یالیل جیسے رئیس موجود نہ تھے؟ یہ تھا ان کا استدلال، پہلے تو وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ کوئی بشر بھی رسول ہوسکتا ہے مگر جب قرآن مجید میں پے در پے دلائل دے کر ان کے اس خیال کا پوری طرح ابطال کر دیا گیا، اور ان سے کہا گیا کہ اس سے پہلے ہمیشہ بشر ہی رسول ہو کر آتے رہے ہیں اور انسانوں کی ہدایت کے لئے بشر ہی رسول ہوسکتا ہے نہ کہ غیر بشر، تو انہوں نے پینترا بدلا کہ اچھا بشر ہی رسول سہی مگر وہ کوئی بڑا آدمی ہونا چاہیئے۔ مالدار ہو، بآثر ہو، بڑے جتھے والا ہو، لوگوں میں اس کی شخصیت کی دھاک بیٹھی ہوئی ہو، محمد بن عبداللہ ﷺ اس مرتبے کے لئے کیسے موزوں ہو سکتے ہیں؟ قریش کے اسی اعتراض کا اسی سورۃ الزخرف میں تفصیلی جواب دیا ہے جس کے اہم نکات یہ ہیں کہ:

۱- اللہ کی رحمت کی تقسیم اللہ کے سوا کسی اور کے سپرد نہیں؛

۲- زندگی بسر کرنے کے عام ذرائع کی تقسیم بھی اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کی بناء پر کرتا ہے۔ لہٰذا نبوت تو بہت بڑی چیز ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جس کے ذمہ اس عظیم ذمہ داری کو ڈالتا ہے اُسی میں بھرپور حکمتیں ہوتی ہیں۔

۳- خدائی انتظام تقسیم میں یہ مستقل قاعدہ رکھا گیا ہے کہ سب کچھ ایک ہی کو یا سب کچھ سب کو نہ دیا جائے۔ یہ اس لئے ہے کہ کوئی انسان دوسروں سے بے نیاز نہ ہو، بلکہ ہر ایک کسی نہ کسی معاملہ میں دوسرے کا محتاج ہو۔ اب یہ کیسا احمقانہ خیال تمہارے ذہن میں سمایا ہے کہ جسے ہم نے ریاست اور وجاہت دی ہے اسی کو نبوت بھی دے دی جائے؟ کیا اسی طرح تم یہ بھی کہو گے کہ عقل، علم، دولت، حسن، طاقت، اقتدار اور دوسرے تمام کمالات ایک

ہی شخص میں جمع کر دئے جائیں اور جس کو ایک چیز نہیں ملی ہے اسے دوسری بھی کوئی چیز نہ دی جائے؟

اِسی سورت میں بڑائی کا معیار بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَوْلَا اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفاً مِّنْ فِضَّۃٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْھَا یَظْھَرُوْنَ o..... وَلِبُیُوْتِھِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُراً عَلَیْھَا یَتَّکِؤُنَ o﴾(۱۶)

ترجمہ:۔''اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو ہم خدائے رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں جن سے وہ اپنے بالا خانوں پر چڑھتے ہیں اور ان کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں سب چاندی اور سونے کے بنوا دیتے۔''

یعنی یہ سیم وزر جس کا کسی کو مل جانا تمہاری نگاہ میں نعمت کی انتہا اور قدر و قیمت کی معراج ہے، اللہ کی نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام انسانوں کے کفر کی طرف ڈھلک پڑنے کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ ہر کافر کا گھر سونے چاندی کا بنا دیتا۔ اس جنس فرومایہ کی فراوانی آخر کب سے انسانی شرافت اور پاکیزگیٔ نفس اور خاندانی عظمت کی دلیل بن گئی؟ یہ مال تو ان خبیث ترین انسانوں کے پاس بھی پایا جاتا ہے جن کے گھناؤنے کردار کی سڑاند سے سارا معاشرہ متعفن ہو کر رہ جاتا ہے اسے تم نے آدمی کی بڑائی کا معیار بنا رکھا ہے۔(۱۷)

مارگولیتھ نے شاید اسی سورت میں صرف قریش کا سوال کہیں سے اُڑایا ہے ورنہ اگر وہ قریش کے اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا استدلالی جواب ملاحظہ کرتے تو یہ نوبت نہ آتی، لیکن مستشرقین کا تو تحقیقات کے پردے میں وطیرہ یہ رہا ہے کہ اسلامی علوم کے اصل مراجع کو بہت کم اہمیت دیتے ہوئے اپنے پیشرو مستشرقین کے افکار و خیالات کو اپنے بے بنیاد دعویٰ کیلئے بنیاد بنا دیتے ہیں۔

حالانکہ مارگولیتھ کے پیش کردہ شرائط بڑائی کے مطابق بھی نبی کریم ﷺ کا خاندان مکہ کے بڑے خاندانوں میں شمار ہوتا تھا ورنہ کیا وجہ تھی کہ کفار مکہ آپؐ کے جانی دشمن ہوتے ہوئے آپؐ کے چچا ابوطالب سے بار

باردرخواستیں (Appeals) کرتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے معبودوں کی ابطال سے منع فرمائیں۔(۱۸)

دوسری بات یہ ہے کہ مارگولیتھ نے قریش کے جس سوال کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ''یہ قرآن دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے بڑے آدمیوں میں سے کسی ایک پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔قریش کے معیار پر نبی کریم ﷺ بڑے آدمی نہ تھے لیکن اس بات سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ آپ ؐ کا تعلق مبّدل خاندان سے تھا (العیاذ باللہ) اس آیت میں مقابلہ نبی کریم ﷺ کے خاندان اور نام نہاد بڑے لوگوں کے خاندان کے درمیان تھا ہی نہیں۔البتہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش مکہ آپ ؐ کو اپنے مزعومہ معیار بڑائی کے مطابق بڑا آدمی نہیں سمجھتے تھے۔

اس پر مستزاد یہ کہ گروہ مستشرقین ہی کے ایک فرد ولیم میور (William Muar) نے کفار مکہ کے معیار بڑائی پر بھی نبی کریم ﷺ کے خاندان کو بڑا اور نمایاں قرار دیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> "The fame and influence of a Muttalib now waxed greater and greater; a large family of powerful sons added to his dignity, he became and continued to his death the virtual chief of Mecca." (19)

نبی کریم ﷺ کی نسبی و خاندانی شرافت کا اعتراف مکہ کے عتبہ بن ربیعہ جیسے سردار نے خود کیا ہے جو مارگولیتھ کے مفروضہ کیلئے برہان قاطع کی حیثیت رکھتا ہے۔قریش نے اسلام کے خلاف مختلف حیلوں حربوں سے تھک کر جب نبی کریم ﷺ کو چند تجاویز پیش کرنے کا منصوبہ بنایا تو اس موقعہ پر آپ ؐ سے گفت شنید کیلئے عتبہ بن ربیعہ آئے تھے۔عتبہ نے آپ ؐ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''اے میرے بھتیجے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم ہم میں سے ایک معزز و اعلیٰ کنبہ کے فرد اور نسبی شرافت میں ہم سے برتر ہو۔تم اپنی قوم کیلئے ایک عظیم تحریک لے کر آئے جس کی وجہ

سے تم نے اپنی جماعت میں تفریق پیدا کردی۔ اس کے دانشوروں کو ناداں بتایا۔ ان کے خداؤں میں اور ان کے دین میں عیب نکالے۔ ان کے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کو کافر بتایا۔ اب مجھ سے سنو، میں تمہارے سامنے کچھ تجاویز رکھتا ہوں۔ ان میں غور کرو شاید تم ان میں کسی بات کو مان لو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے ابو ولید! کیا کہنا چاہتے ہو، میں سنوں گا، انہوں نے کہا اے میرے بھتیجے! اگر اس تحریک سے جو تم نے چلائی ہے تمہارا مقصد دولت حاصل کرنا ہے تو ہم تمہیں مالا مال کردیں گے، اگر تمہیں عزت و جاہ کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار مان لینے کو تیار ہیں یہاں تک کہ کبھی تمہاری مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے۔ اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیں گے۔''

جب عتبہ اپنی گفتگو ختم کر چکا جسے آنحضرت ﷺ نے خاموشی سے سنا تو آپؐ نے فرمایا: اے ابو ولید! تم کہہ چکے؟ کہا، ہاں! آپؐ نے فرمایا، اب میری بات سنو، آپؐ نے آیات ذیل تلاوت فرمائیں:

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حٰـمٓ ٥ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ٥﴾(۲۰)

ترجمہ: ''حٰمٓ، یہ کلام پاک، خدائے رحمٰن ورحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں صاف اور واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ یہ عربی زبان کا قرآن مجید ہے جو دانشوروں کے لئے نافع ہے۔''

یہ کلام سننے کے بعد جب عتبہ واپس جماعت قریش کے پاس گئے تو وہ عتبہ نہ تھے بلکہ ایک بدلے ہوئے عتبہ تھے اور انہوں نے مجمع میں اعلان کیا۔ اے جماعت قریش! میری بات مانو اور میری رائے سے اتفاق کرلو۔ تم اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور اس سے بےتعلق ہوجاؤ، خدا کی قسم! میں نے اس سے جو کلام سنا ہے وہ ایک عظیم مستقبل کا حامل ہے پس اگر وہ کامیاب ہوکر عرب پر غالب آجائیں گے تو یہ تمہاری ہی عزت ہے ورنہ عرب ان کو خود

فنا کردے گا۔(۲۱)

کیا اس تاریخی گفتگو کا ایک ایک حرف آپؐ کے سخت ترین مخالف کی زبانی آپؐ کے خاندانی اور نسبی وجاحت وشرافت پر دال نہیں، اس کے باوجود اگر کوئی اس قسم کے بے بنیاد خیالات کی بناء پر چاند پر تھوکنا چاہتا ہے تو تھوک خود اُن کے چہرے پر گر کر رہتا ہے۔

متذکرہ بالا مستشرقین کے علاوہ منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) نے آپؐ کی حیات مبارکہ اور نبوت کے متعلق تین (۲۲) اہم کتابیں لکھیں جن میں (Muhammad at Mecca) میں نبی کریم ﷺ کے خاندان سے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں۔ مستشرق موصوف نے بھی اپنے پیشرؤوں کے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے اپنی تحقیق میں آپؐ کے خاندان اور دیگر امور سے متعلق بات کرتے ہوئے جو الفاظ اکثر و بیشتر استعمال کئے ہیں وہ تحقیقی کام کے شایاں شاں نہیں لگتے۔ مثلاً وہ اکثر probablly، may be، perhaps، I think، as it seems جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو متفق علیہ واقعات میں شک وشبہ پیدا کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتے ہیں لیکن اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی اس نام نہاد تحقیق میں یقینیات کے بجائے، قیاسات، احتمالات، ظنیات، تاویلات اور بے جا معلومات کو زیادہ دخل ہے۔ وہ بظاہر غالباً، اندازہ کیا جاتا ہے، ہوگا، رہا ہوگا، شاید اور خیال ہے، احتمال ہے وغیرہ جیسے الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان واقعات کا سمجھنا آسان نہیں۔ اسی طرز تحقیق کے تحت بات کرتے ہوئے وہ نبی کریم ﷺ کے پردادا، ہاشم کا ذکر کرتے ہوتے لکھتے ہیں کہ مکہ کی معاشرتی زندگی میں تجارت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی اور مکہ کے اہم اور بڑے لوگ تجارت سے منسلک تھے لیکن چونکہ ہاشم کی مکہ میں کوئی خاص حیثیت نہ تھی لہٰذا ان کے ذمے حجاج کی دیکھ بھال وغیرہ کا فریضہ لگایا گیا۔

Abd Shams may have realized that there were

greater potential gains in long distance trading than in petty dealing with pilgrims.

پھر آگے ہاشم کی موت کے بعد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Whatever was the relative importance and properity of the two, the comparatively early death of Haashim at Gaza weakened his descendants and their associated, the clam of Al-Muttalib. Hashim's brother, Al-Muttalib, was now head of the whole group, but it does not seem to have had any prominence in Meccan affair.(23)

پھر اسی سانس میں آگے بڑھتے ہوئے جب نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے چاہ زمزم کی کھدائی کر کے مکہ کے معاشرتی معاملات میں ایک اہم راہنما کی حیثیت اختیار کی تھی، لکھتے ہیں:

With `Abd al-Muttalib the position of the clan appears to have imporved once more. His digging of the well of Zamzam beside the ka'bah shows him to have been a man of energy and initiative. Although Zamzam afterward became the Central well of Mecca and shared in the prestige of the sanctuany 'Abd al-Muttalib's action does not show that he was

the leading man in Mecca(24)

منٹگمری واٹ نبی کریم ﷺ کے خاندانی پس منظر کو بیان کرنے میں تضادات کے شکار ہیں وہ ایک ہی سانس میں دو مختلف باتیں کہہ جاتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، مکہ مکرمہ میں عبدالمطلب کی امتیازی حیثیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مسلمان مؤرخین کے علاوہ بعض غیر متعصب مغربی مؤرخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے لہٰذا منٹگمری واٹ اس موقعہ پر ایک طرف عبدالمطلب کی معاشرتی حیثیت ماننے پر مجبور ہیں اور دوسری طرف اپنے بنیادی نظریے کہ مکہ میں آپؐ کے خاندان کی کوئی امتیازی حیثیت نہیں تھی کے تحت یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ عبدالمطلب کے خاندان کو عزت و وقار تب نصیب ہوا جب آپ نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں مکہ کے اونچے خاندانوں میں کرادیں ورنہ ذاتی طور پر وہ مکہ کے قابل عزت خاندانوں میں شمار نہ تھے۔ اس کے بارے میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

The best evidence we have for his standing in the community is the record of the marriages of his daughters.(25)

اس جملے کے بعد ان لوگوں کے نام ذکر کئے ہیں جن سے عبدالمطلب کی بیٹیوں کی شادیاں ہوئیں اور پھر ایک جملے کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

That is to say, 'Abd al-Muttalib was able to marry his daughters into some of the best and most powerful families of Mecca.(26)

ان جملوں کا بغور مطالعہ واضح کرتا ہے کہ منٹگمری واٹ عبدالمطلب کی امتیازی حیثیت کو مکہ کے نام نہاد

اونچے خاندانوں کے ساتھ بیٹیوں کی شادی کی بناء پر منسلک ہونے کا سبب مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات خود اس پر دلیل ہے کہ اگر مکہ کے اونچے اور باوقار خاندانوں نے عبدالمطلب کی بیٹیوں سے شادیاں کیں تو اس لئے کہ وہ ایک قابل عزت خاندان تھا ورنہ حرب بن امیہ، عوام بن خویلد، ابوامیہ بن المغیرہ وغیرہ ایسے شریف نہ تھے کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگاتے۔

مستشرقین کی یہ بڑی پرانی عادت ہے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق سیدھی سادی بات کو بھی توڑ مروڑ کر ایسی صورت میں پیش کرتے ہیں جس سے ذم اور قدح کا کوئی نہ کوئی پہلو نکلے مثلاً منٹگمری واٹ نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا عام الفیل کے موقعہ پر ابرہہ کے ساتھ معاملات و مذکرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"The account of 'Abd al-Muttalib's meeting with Abrahah during the expedition of the Elephant is probably to be accepted in outline, but to be regarded as a negotiation on behalf not of all Mecca but of a minority there."(27)

یہاں پر منٹگمری واٹ، عبدالمطلب کو اقلیت کا نمائندہ قرار دینے کیلئے کوشاں ہیں تاکہ آپ مکہ کے سردار یا راہنما ثابت نہ ہوسکیں کیونکہ اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ عبدالمطلب، ابرھہ کے ساتھ مذاکرات کیلئے تمام مکہ والوں کا ترجمان بن کر گئے تھے تو پھر تو نبی کریم ﷺ کا جدامجد معتبر معزز و محترم ٹھہرتا ہے اور یہی عزت و وقار آپؐ کی طرف منتقل ہوتا ہے لہٰذا مستشرق موصوف نے کوشش کی ہے کہ عبدالمطلب کی اس حیثیت کو مشکوک بنایا جائے اس لئے وہ اپنی عادت کے مطابق "Probably" کا لفظ استعمال کرتے ہوئے یہ تو مان لیتے ہیں کہ ہاں وہ ابرھہ کے ساتھ مذاکرات کیلئے گئے تو تھے لیکن اکثریت کا نہیں، اقلیت کا نمائندہ بن کر، حالانکہ تفاسیر اور سیر کی کتب میں صاف اور

واضح طور پر موجود ہے کہ ''ابرھہ جب طائف پہنچا تو اس نے اسود بن مقصود نامی ایک حبشی کو مکہ روانہ کیا جو اہل مکہ کے مویشیوں کو ہانک لایا، ان میں عبدالمطلب کے دوسو اونٹ بھی شامل تھے۔ اس نے یہ سب مویشی ابرھہ کی خدمت میں پیش کئے۔ تب ابرھہ نے حناطہ حمیری کو مکہ بھیجا کہ وہ اس شہر کے سردار کا پتہ لگائے، چنانچہ اس نے جا کر معلوم کیا تو لوگوں نے عبدالمطلب کا نام لیا۔''(۲۸)

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرھہ نے اپنے مقدمتہ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لے گیا جن میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے بھی دوسو اونٹ تھے (کسی شخص کے پاس دوسو (۲۰۰) اونٹ کا موجود ہونا بھی تو اس کی سرداری پر دلالت کرتے ہیں۔) اس کے بعد اس نے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعے اہل مکہ کو پیغام بھیجا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں اگر تم نہ لڑو تو میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا نیز اس نے ایلچی کو ہدایت کی کہ اگر اہل مکہ بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ مکے کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے۔''(۲۹)

اس بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے مستشرق موصوف نے عبدالمطلب کے رتبۂ امتیاز کو گھٹانے کے لئے یہ تھیوری (نظریہ) ایجاد کیا ہے کہ ابرھہ کی واپسی کے بعد عبدالمطلب کی حیثیت میں کوئی خاص اضافہ نہ ہوسکا کیونکہ اس واقعہ کے بعد بہت جلد آپ کی موت واقع ہوگئی۔

> "Whether this affected 'Abd al-Muttalib's influence in Mecca we can not tell, since he died shortly aft erwards. That he should have adopted such a policy at all suggests that his clan was becoming relatively

worse off."(30)

یہ تو بڑے بڑے تاریخی واقعات ہیں جنہیں مستشرقین اپنے مذموم اھداف ومقاصد کیلئے توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں لیکن بعض مستشرقین تو تاریخ کے مسلم واقعات کے چھوٹے چھوٹے اجزاء کو بھی اپنی خاص نظروں سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ مستشرقین اپنی تحریروں کیلئے پہلے سے ایک خاص نتیجہ وضع کر کے لکھتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں وہ کسی بھی دقیقہ کو فروگذاشت نہیں رکھنا چاہتے۔ عبدالمطلب کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کیلئے نبی کریم ﷺ کو آپ کا غلام بھی قرار دیا گیا ہے اور اتنی عظیم جسارت کیلئے ایک ایسے واقعہ کو بنیاد ٹھہرایا ہے جو روایت ودرایت کے کسی اصول ومعیار پر پورا نہیں اترتا۔

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آپ ؐ کو اپنے دامن تربیت میں لیا اور آٹھ سال کی عمر تک آپ ؐ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور مرتے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آپ ؐ کی تربیت ونگہداشت سپرد کی۔ ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے دادا عبدالمطلب سے بے پناہ محبت تھی۔ جب وفات کے بعد عبدالمطلب کا جنازہ اُٹھا تو آنحضرت ﷺ بھی ساتھ تھے اور فرطِ محبت سے روتے جاتے تھے۔ لیکن مستشرقین کو دادا اور یتیم پوتے کی آپس میں یہ محبت گوارہ نہیں۔ ڈی ایس مارگولیتھ لکھتے ہیں کہ ''یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ آخیر عمر میں ان کے چچا (حضرت) حمزہؓ نے نشہ کی حالت میں محمد ﷺ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا۔''(۳۱)

اس جملے میں مارگولیتھ (Margoliouth) نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ نشہ کی حالت تھی۔ حضرت حمزہؓ کے جس واقعہ کی طرف مستشرق نے اشارہ کیا ہے وہ بخاری، باب غزوہ بدر وخمس میں تفصیل سے مذکور ہے لیکن اس میں طنزاً کا لفظ کہیں بھی موجود نہیں۔ اسکے علاوہ، کیا نشے کی حالت کا کوئی بیان بھی کسی واقعے یا معاملے کی شہادت میں پیش کیا جاسکتا ہے؟ لیکن مستشرق کو تو عبدالمطلب کی ذات اور خاندان پر کیچڑ اچھالنا مطلوب ومقصود تھا لہٰذا ''طنزاً''

کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر کے اپنا مطلب پورا کر لیا۔ تحقیق، علمی دیانت اور تاریخی سچائی کی مٹی اگر پلید ہوتی ہے تو ان کی بلا سے۔

جہاں تک عبدالمطلب کی شخصیت کا تعلق ہے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ وہ مکہ کی مقبول ترین شخصیت تھی۔ ان کا پورا نام سیبۃ الحمد تھا اور یہ نام بطور فال رکھا گیا تھا تا کہ لوگ آئندہ ان کی تعریف کریں۔ عبدالمطلب اپنی خوبیوں کی بناء پر عوام وخواص میں مقبول و ہر دلعزیز تھے۔ ان کے دسترخوان سے پرندوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے درندوں تک کو غذا پہنچائی جاتی تھی۔ اسی بناء پر قوم کی طرف سے انہیں مطعم الطیر اور فیاض کے لقب سے نوازا گیا۔ وہ مصائب میں قریش کے کام آئے اور مشکلات میں ان کا ملجا و ماویٰ بنے رہتے تھے۔ وہ قریش میں معزز اور ہیرو مانے جانے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ رمضان کے مہینے میں حرا پہاڑ پر چڑھتے اور وہاں مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔ وہ اپنی اولاد کو ظلم وستم اور فتنہ وشر سے باز رہنے کا حکم دیتے، حسن اخلاق کی ترغیب دیتے اور ذلیل کاموں سے روکتے تھے۔''(۳۲)

☆ سترھویں صدی کے مشہور مستشرق ڈاکٹر ہنری سٹب (Dr. Henry Stubb) سترھویں صدی میں اسلام کے خلاف استشراقی تحریک میں اسلام کے خلاف شدید تعصب کے باوجود حضورﷺ کے خاندان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"He {Muhammad (PBUH)} was of the most oble tribe of Choreischites."(33)

سن پیدائش:

مستشرقین نے نبی کریمﷺ کی تاریخ پیدائش پر کوئی خاص اعتراض تو نہیں کیا ہے لیکن مختلف مستشرقین

نے مختلف تواریخ پیدائش لکھی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان سیرت نگاروں کے ہاں بھی نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ آپؐ کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں دوشنبہ کے دن ہوئی اور تاریخ ولادت ۸ سے لیکر ۱۲ تک میں منحصر ہے۔ مسلمان سیرت نگاروں کی اکثریت نے آپؐ کی ولادت ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء لکھی ہے۔ آپؐ کی تاریخ ولادت کے متعلق مسلمان سیرت نگاروں نے بھرپور تحقیق کی ہے جس کے مطابق سن پیدائش ۵۷۱ء متفق علیہ ہے۔ اس سلسلے میں مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس میں انہوں نے علم ریاضی وفلکیات کی رو سے حساب کر کے آپؐ کی تاریخ پیدائش معلوم کرنے کوشش کی ہے۔ محمود عالم فلکی نے صحیح بخاری کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صغیرالسن صاحبزادے ابراھیمؑ کے انتقال کے وقت سورج گرہن ہوا تھا اور وہ ۱۰ھ کا سال تھا۔ اس وقت آپؐ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا۔ ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ھ کا گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بجکر ۳۰ منٹ پر ہوا تھا۔ اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹیں تو آپؐ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے جس میں از روئے قواعد ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔ (۳۴)

لیکن مستشرقین کی تحقیقی تصانیف میں آپؐ کی جو تاریخ پیدائش دی گئی ہے وہ بغیر کسی حوالہ کے مسلمان سیرت نگاروں کے ہاں پائی جانے والی تاریخ پیدائش سے بہت مختلف ہے مثلاً واشنگٹن ارونگ (Washington Irving) نے ۵۶۱ء لکھی ہے۔ (۳۵)

مارگولیتھ (D.S. Margoliouth) نے اپنی تصنیف "The Life of Muhammad" میں کوئی تاریخ لکھی ہی نہیں ہے۔ ہنری سٹب (Dr. Henry Stubb) نے لکھا ہے کہ:

"Mahomet (Muhammad S.A.W.) was born about the year of Christ 570. Some place it is 580, others in 600, but I follow the most probale Account, since it is generally agreed that he (He) was forty years old in the 610, at which time he began his prophecy."(36)

ڈاکٹر ھنری سٹب نے آپ ؐ کی مختلف تواریخ پیدائش کیلئے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے لیکن یہ لکھا ہے کہ چونکہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ؐ کی بعثت کی ابتداء ۶۱۰ء میں ہوئی اور اس وقت آپ ؐ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ لیکن بعض مستشرقین نے اس حوالے سے بعض بے بنیاد اور خطرناک شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض مستشرقین نے دعویٰ کیا ہے کہ کوئی محقق یقینی طور پر یہ نہیں بتا سکتا کہ آغازِ وحی کے وقت آپ ؐ کی عمر کیا تھی۔(۳۷)

مستشرقین نے یہ بات اس لئے بطور چیلنج لکھی ہے کہ آپ ؐ پر آغاز وحی کے ضمن میں واردشدہ روایات میں اضطراب وتناقض پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صبحی صالح سن پیدائش اور آغاز وحی کے وقت کے بارے میں مستشرقین کے ہاں پائے جانے والے تضادات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس میں شبہ کی کوئی مجال نہیں کہ آغاز وحی کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر کے بارے میں شکوک وشبہات اس سلسلہ کی اولین کڑی ہے کہ دعوتِ اسلامی کے نقطۂ آغاز ہی کو شکوک ثابت کیا جائے۔ اس کے بعد شکوک پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بذریعہ وحی جو معلومات پہلے مکہ میں اور پھر مدینہ میں حاصل ہوئیں ان کی قدر و قیمت کو گھٹایا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب آغازِ وحی ہی کو مشکوک بنایا جائے تو کسی محقق کیلئے اس بات کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے نازل ہونے والی وحی پر غور وفکر کرے۔''(۳۸)

ڈاکٹر موصوف مستشرقین کی اس مغالطہ کی اصلاح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مستشرقین کا مغالطہ اگر علم و بصیرت پر مبنی ہے تو اضطراب روایات کا دعویٰ بے بنیاد ہے کیونکہ تعدد روایات سے اضطراب لازم نہیں آتا۔ روایات میں تناقص اس وقت پایا جاتا ہے۔ جب وہ مساوی درجہ کی ہوں اور ان میں ترجیح کا کوئی امکان نہ ہو جیسا کہ نقادِ حدیث نے اپنی اصطلاحات میں ذکر کیا ہے۔ جب ایک روایت کو دوسری کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہو تو وہاں تناقض کا کوئی امکان نہیں۔ مؤرخین آنحضورﷺ کی عمر کے بارے میں دسیوں روایات کیوں نہ لکھیں اس ضمن میں مشہور تر رائے وہی ہوگی جو مقابلۃً زیادہ صحیح ہو جیسا کہ محققین اہل تفسیر نے بیان کیا ہے۔(۳۹)

ابن کثیر نے مشہور رائے پر عمل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعثت کے وقت آپؐ کی عمر چالیس تھی۔(۴۰)

ابن سعد نے بھی یہی روایت اختیار کی ہے۔(۴۱)

بعض مستشرقین نے نبی کریمﷺ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بات کرتے ہوئے عجیب انداز میں سن پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے ایک آدھ بات اور بھی ایسی منسلک کی ہے جس کی وہاں کوئی ضرورت دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن چونکہ مستشرقین کے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ چونکہ کسی اہم شخصیت کے نظریۂ، افکار اور طرز عمل پر بات کرنے سے پہلے اس کی ابتدائی زندگی کے حالات میں لوگ دلچسپی رکھتے ہیں لہٰذا آپؐ کی ابتدائی زندگی کے حالات بیان کرنے کیلئے مستشرقین جو پیرایہ اور اسلوب استعمال کرتے ہیں اس میں شکوک وشبہات کے عناصر شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ قاری ابتداء ہی سے شکوک کا تاثر لیکر آگے بڑھے، مثلاً مشہور فرانسیسی مستشرق ہنری ماسے (Henri Masse)، "Muhammad: His childhood and youth" کی سرخی کے تحت اقمطراز ہیں:

"It was in this Mecca so diverse in human elements so intensely alive that even the fever of commerce

and money lending could not stifle the confused dreams of religious souls, that Muhammad was born between 570 (The Traditional date) and 580. What we know of his life is based on the scattered allusions in the Koran and on the "Sira" the Compilation begun by Arab histrorians towards the end of the 7th Century."(42)

مستشرقین کے نزدیک سن پیدائش کے بیان کے ساتھ یہ بھی کہنا ضروری تھا کہ آپؐ کی سیرت قرآن کریم کے منتشر اشاروں اور آپؐ کی وفات کے ایک صدی بعد عرب مؤرخین کی سیرت نگاری پر مشتمل ہے۔

ایک اور مستشرق ایس۔اے نیگوسین (S.A. Nigosian) نے اس سلسلے میں ایک ایسی بات لکھی ہے جو بہت کم مستشرقین نے لکھی ہے موصوف ''پیدائش'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"Muhammad the Prophet, Little is known of the early life of Muhammad Tradition States that he was born in the city of Mecca around 570."(43)

اس حوالے سے مستشرقین کے مبلغ علم کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ متذکرہ بالا مستشرق آپؐ کی ابتدائی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

Later as a youngman, Muhammad joinded the merchant caravans, and at the age of twenty five

entered the service of a wealthy widow named Khadijah. Soon, his relationship with her deepened into love, and although she was fifteen years older, he married her."(44)

مسلمان سیرت نگاروں اور مؤرخین کے ہاں اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دیانت داری سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہؓ نے شادی کا پیغام بھیجا تھا جو آپؐ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کے مشورے کے بعد قبول فرمایا۔(۴۵)

ولیم میور (William Muer) نے ۵۷۰ء تاریخ پیدائش لکھی ہے اور منٹگمری واٹ نے بھی ۵۷۰ء لکھی ہے:

"Muhammad was born in the year of the Elephant, the year of Abrahah's unsuccessful expedition against Mecca. This is usually held to be about A.D. 570."(46)

میکسم روڈنسن جو عام مستشرقین کے مقابلے میں منصف مزاج اور تحقیقی ذہن کے مالک مستشرق ہیں اپنی مشہور تصنیف ''محمدؐ'' میں مستشرقین کے ہاں عام طور پر مذکور تواریخ پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے مسلمان سیرت نگاروں کے ہاں متفق علیہ تاریخ پیدائش پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن ابتدائی جملے پر دیگر مستشرقین کے اثرات پائے جاتے ہیں:

No one knows exactly when Muhammad, who was

to become the Prophet of Allah, was born, it was believedto have been during the reign of Khusro Anosharivan, that is before 579, which seems probable. It was said to have been in the year of the Elephant the year, that is, in which the birds of the air routed the army of Abraha before Mecca - but that is Certainly untrue. The precise date, arrived at by means of some highly dubious calculations, varies between 567 and 573. The most commonly accepted year is 571.(47)

مستشرق موصوف نے سن پیدائش تو آخر میں صحیح لکھی ہے لیکن اس سلسلے میں مسلمان سیرت نگاروں کے برعکس عام الفیل کو آپ ؐ کی سن پدائش کے طور پر رد کیا ہے جو ایک تحریف ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سن پیدائش کے حوالے سے متذکرہ بالا مستشرقین کے ہاں ایک بات مشترکہ طور پر سامنے آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام اور نبی کریم ﷺ کے متعلق دیگر معلومات کی طرح اس سلسلے میں بھی اُن کا اسلوب بیان شک پیدا کرنے والا ہے، جبکہ مسلمان سیرت نگاروں کے ہاں اسی کے برعکس متعین لہجہ پایا جاتا ہے اور یہ دونوں کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔ مسلمان سیرت نگار آپ ؐ کی تاریخ اور سن پیدائش کے متعلق ایک ہی جملہ لکھتے ہیں لیکن وہ اپنی سادگی کے باوجود یقین و ایمان سے بھرپور ہوتا ہے۔ مثلاً مسلمان سیرت نگار عام طور پر یوں لکھتے ہیں:

''آپ ؐ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔'' یا ''۱۲ ربیع الاول بروز دو شنبہ ۲۰ اگست ۵۷۰ء کو صبح کے وقت حضور اکرم ؐ کی ولادت باسعادت ہوئی۔''

مسلمان سیرت نگاروں کے ہاں کہیں بھی ''شاید'' لگتا ہے ''یا کوئی بھی صحیح طور پر نہیں جانتا، یا کسی کو بھی

یقینی طور پر معلوم نہیں'' وغیرہ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ تاریخ پیدائش میں اختلاف کا مسلمانوں کے بنیادی عقائد سے کوئی تعلق نہیں جبکہ مستشرقین مشکوک لب ولہجہ اختیار کر کے آپؐ کے سن پیدائش سے لیکر مشن تک کو شکوک بنانے کے درپے ہیں۔

مشہور مصری سیرت نگار محمد حسین ہیکل نے نبی کریم ﷺ کی سال پیدائش کے حوالے سے خود ولادت مبارک درسن ۵۷۱ء لکھی ہے لیکن ساتھ ہی اس سلسلے میں مختلف طبقات مؤرخین کے درمیان اختلافات مہ وصال کو مندجہ ذیل نقشہ کے ذریعے واضح کیا ہے:

سن، ماہ یوم اور وقتِ تولد میں اختلاف

سال ولادت	دوسرا گروہ	تیسرا گروہ	چوتھا گروہ	پانچواں گروہ	چھٹا گروہ
(لابن عباس)					
ابرھہ کے مکہ	ابرھہ کے اس (سال)		اس سال میں		اس سال کے اس سال
پر حملہ کا دن	حملہ کا سال	سے (۱۵)	چند یوم سے	تین ماہ بعد!	سے (۷۰)
ماہ ولادت	۵۷۰ء میں	روز بعد	لیکر ۲ سال		ماہ بعد بعد تک
اکثر مؤرخین	ربیع الاول	ماہ محرم	ماہِ صفر	ماہ رجب	ماہِ رمضان

ماہ ربیع الاول میں ولادت مبارک کے مؤیدین اس ماہ کی تاریخ میں ۳، ۹، ۱۰، اور ابن اسحاق مؤلف سیرۃ کی رویت میں ۱۲ ہے: (۴۸)

مستشرقین میں آپؐ کی تاریخ پیدائش اور دیگر معلومات کے حوالے سے سب سے بہتر انداز جان ڈیون پورٹ کا ہے۔ جیسا اس مصنف کی تصنیف کا نام دلکش ہے اسی طرح طرز بیان اور انداز تحقیق بھی انصاف پر مبنی ہے۔ آپ نے اپنی مشہور تصنیف کی ابتداء ان الفاظ سے کی ہے:

"AN APOLOGY FOR MUHAMMAD AND THE QUR'AN"

"It may be truly affirmed that of all known legistators and conquerors, not one can be named, the history

of whose life has been written with great authenticity and fuller detail, than that of Muhammad (may peace be upon him)."(49)

جان ڈیون پورٹ، عام طور پر مستشرقین کے ہاں درج تواریخ پیدائش کا تحقیق کا حق ادا کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں اور پھر مسلمان سیرت نگاروں کے ہاں متفق علیہ سن پیدائش درج کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ عیسیٰؑ کی سن پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے مستشرقین کے سامنے بطور دلیل یہ بات پیش کرتے ہیں کہ آپ کے ہاں تو اس سلسلے میں اتنا کچھ بھی موجود نہیں جتنا مسلمانوں کے ہاں پایا جاتا ہے:

"Muhammad was born at Mecca, in what year is doubtful, those of A.D. 560, 571, 572, 600, and 620 being assigned by different writers, but that which is considered the most authentic is November 20, 571. It is remarkable that a similar, if not greater, uncertainity obtains as to the birth of Jesus Christ, which was actually unknown for Chronological purposes untill after the commencement of the 6th Century."(50)

حوالہ جات

(۱) لیڈن یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر اور اسلامی دنیا میں زبردست شہرت حاصل کرنے والے ''المعجم المفهرس لِأ لفاظِ الحديث النّبويّ کے مؤلف۔

(۲) Encyclopadea of Islam, Vol.I under Abraham

(۳) Selected works of C.S. Hurgrunje, edited by G.H. Bousguet and J. Schacht, London, 1957, p.53,

(۴) Encyclopadea of Islam, Wensinck, under Abraham.

(۵) Islam, Henri Masse (Translated from French by Halida Edibe), Beirut, Khayats, 1966, p.40

(۶) القرآن،ابراھیم:۳۵

(۷) القرآن،ابراہیم:۳۷

(۸) القرآن،ابراھیمؑ:۳۹تا۴۱

(۹) القرآن،انعام:۷۹

(۱۰) القرآن،انعام:۱۶۱

(۱۱) القرآن،النحل:۱۲۰، ۱۲۳

(۱۲) نفس المصدر

(۱۳) D.S. Margoliouth,Muhammad and rhe Rise of Islam, third edition, London p.47

(۱۴) شبلی نعمانی،مولانا سیرت النبی ﷺ،ص:۱۰۵

(۱۵) القرآن، الزخرف:۳۱

(۱۶) القرآن، الزخرف:۳۳

(۱۷) مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، جلد چہارم، (تفسیر سورۃ الزخرف) آیت ۳۳

(۱۸) Siddiqui,MazhurddinThe Holy Prophet and the Orientalists, In Islamic Studies. Journal of the Islmamic St. Institution Research, Islamabad XIX, No. 3 p. 143

(۱۹) The Life of Muhammad by Sir William Muer, Edinburgh 1923, pp. 115 - 116

(۲۰) القرآن ۲:۴۱

(۲۱) شیخ محمد رضا، محمد رسول اللہ ﷺ، (اردو ترجمہ مولوی محمد عادل قدوسی) ص:۱۶۳، ۱۶۴
نفس المصدر، سیرت النبیؐ، مولانا شبلی نعمانی ۱/۱۳۶، ۱۳۷

(۲۲) منٹگمری واٹ کی دوسری دو کتابیں (Muhammad at Medina) اور (Muhammad The Prophet and Statesman) ہیں۔ جو مستشرقین کیلئے ایک مستند مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۲۳) Watt,Montgomery, Muhammad at Mecca,Oxford Univ. Press Karachi, 1953, p. 30, 31

(۲۴) Ibid, p.31

(۲۵) Watt,Montogomery, Muhammad at Mecca,0 p.31,32

(۲۶) Ibid, p. 31

(۲۷) مرجع السابق ص۔ ۳۱

(۲۸) شیخ محمد رضا، محمد رسول اللہ، ص:۲۶

(۲۹) مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، جلد ۶، تفسیر سورۂ لفیل

(۳۰) Watt,W.M, Muhammad at Mecca, p. 32

(۳۱) D.S. Margoliouth, Life of Muhammad, Oxford Press, London 1905, p.45

(۳۲) شیخ محمد رضا، محمد رسول اللہ ﷺ، (اردو ترجمہ، مولوی محمد عادل قدوسی)۔ص:۱۸، ۱۹

(۳۳) Stubb,Dr. Herny, An Account of the Rise and Progress of Mohammadanism, Orientatia, Afzal Chambers, MoleodRd. Lahore, p.73

(۳۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ص:۱۰۹، ۱۱۰

(۳۵) The Life of Muhammad, W. Irving. p. 24

(۳۶) An Account of the Rise and Progress of Mohammadanism, by Dr. Herny Stubb: Orientatia, Afzal Chambers, Moleod Rd. Lahore, p.73

(۳۷) Balachere,Translation De Quran (Preface),R.L. Paris, 1947

(۳۸) صبحی صالح، علوم القرآن، دکتور (اردو ترجمہ غلام احمد حریری)، ص:۲۳۶

(۳۹) علوم القرآن، ص:۲۳۴

(۴۰) ابن کثیر، ابوالفداء، تفسیر ابن کثیر، ۴/۴۱۰

(۴۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۸۲

(۴۲) Henri Masse',Islam, Beirut, Khyayat,s 1968. p. 31

(۴۳) S.A. Nigosian, World Faiths,St. Martin's Press, New Yark, 1990, p.190

(۴۴) Ibid. p. 191

(۴۵) شبلی نعمانی ،سیرت النبیؐ،۱/۱۱۸''مولانا شبلی نعمانی نے حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے واقعات ابن ھشام، ابن سعد، اور طبری کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ جن میں اختلاف، اجمال، تفصیل اوراثبات ونفی مذکور ہیں۔البتہ عمر کے حوالہ سے چالیس سال متفق علیہ ہے۔''

(۴۶) Watt,W.M, Muhammad at Mecca, p. 33

(۴۷) Rodinson,Maxim,Muhammad,Penguin Books, Canada 1961, p. 38

(۴۸) محمد حسین ہیکل،حیات محمد ادارۂ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور۔۱۹۸۸،ص:۱۲۰،۱۲۱

نبی کریمؐ کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے مشہور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوری نے بھی اپنی تصنیف ''رحمۃ للعالمین''۱/۳۵؛مختلف حوالوں اوراعداد وشمار کے مطابق ایک قیمتی بحث کی ہے جس میں وقت دن،مہینہ،سال وغیرہ کی تفصیلات موجود ہیں اور۲۲اپریل ۵۷۱ء کوصحیح ترین قرار دیا ہے۔

(۴۹) As cited above. p. (B.1)

(۵۰) John met, An apology for Muhammad and the Qur'an,